قال الذی یصلی علیه الله جل جلاله

"ألا وأنا حبیب الله"

در مدح و توقیر

سیّد الکونین النبی الوحید صلی اللہ علیہ وسلم

مع

نقشہ نعل مبارک علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

از

حجۃ الاسلام بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم

نانوتوی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاسِمُ العُلوم وَالخیرات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد پیش خدمت قصیدہ بہاریہ صرف مدحیہ کلام ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فنافی الرسول صاحب حال جامع شریعت وطریقت اور صوفی صافی کا کلام ہے، اور صاحب دل کا کلام دل سے ہوتا ہے جو کہ دل پر اثر کرتا ہے لہٰذا پڑھنے والوں کے دلوں میں عشق اور عظمت رسول پیدا ہوگی اور اتباعِ سنت کی توفیق ہوگی جس کا مطلوب اور مقصود شرعی ہونا بہت ظاہر ہے، اور اللہ کے حبیب کی مدح وثنا صلوۃ وسلام کی کثرت کا باعث بھی ہوگا، حاضر وقت میں عام طور پر نفاق اور توہین تک کے رجحان عام ہو رہے ہیں اسلئے اشاعت ضروری ہوئی، صاحب قصیدہ کے متعلق ان کے معاصر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں،

"قدر مریدوں کی پیری جانے جو ویسی نظر رکھے وہی جانے"

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہ کے متعلق ان کے پیر ومرشد سید الطائفہ عاشق ذوالجلال والجمال حقیقت آگاہ معرفت دستگاہ اعلیٰ حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہ مہاجر مکی جو اہل طریقت کی متفق علیہ شخصیت ہیں وہ اپنی کتاب ضیاء القلوب کے آخر میں وصایا کے تحت لکھتے ہیں کہ۔

جو شخص مجھ سے عقیدت ومحبت رکھے وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم سلمہ کو (جو کمالات ظاہری وباطنی کے جامع ہیں) میری جگہ بلکہ مجھ سے بلند تر مرتبہ سمجھے اگرچہ معاملہ ظاہر میں برعکس ہے کہ میں ان کی جگہ (ان کا مرید بنتا) اور وہ میری جگہ (میرے پیر بنتے) ہیں اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ ان کے ایسے لوگ اس زمانہ میں نہیں پائے جاتے ہیں، ان کی بابرکت خدمت سے فیض حاصل کرے، اور سلوک کے طریقے جو اس کتاب (ضیاء القلوب)

میں ہیں ان کے سامنے حاصل کرے، ان شاء اللہ بے بہرہ نہیں رہیگا۔ خدا ان کی عمر میں برکت دے اور معرفت کی تمام نعمتوں اور اپنی قربت کے کمالات سے مشرف فرمائے اور بلند مرتبہ تک پہونچائے اور ان کے نور ہدایت سے دنیا کو روشن کرے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں قیامت تک ان کا فیض جاری رکھے،

نیز حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ کی شہادت ہے کہ

"ایسے لوگ صدیوں پہلے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ کئی صدی بعد اللہ نے ایسی شخصیت پیدا فرمائی"

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت نانوتوی کا اپنا بیان

ختم نبوت کے اثبات میں دلائل بیان فرماتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ" ہم اُن صاحبوں کے مقابلہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر از دیاد قدر سے کہ ان کے خیال میں سات گنا ہو جائے یہ بُرا مانتے ہیں (حالانکہ فی الحقیقت اللہ کے محبوب وممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ اس قدر بلند تر ہیں کہ جس تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی اور جسکی تشریح سے انسانی زبانیں قاصر ہیں) اور قائلین از دیاد قدر کو کافر یا خارج از مذہب اہل سنت سمجھتے ہیں۔ اس شعر کو (اہل بیت کی محبت میں حضرت امام شافعیؒ کا مشہور شعر)

اِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِیْ

بدل کر یوں پڑھتے تھے۔

اِنْ كَانَ كُفْرًا حُبُّ قَدْرِ مُحَمَّدٍ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ كَافِرٌ

اتباع سنت کا اہتمام | زندگی کے ہر شعبہ میں اتباع سنت تو ہر بزرگ میں پایا جانا ضروری ہے کہ یہی چیز بزرگی کی علامت ہے۔ قبولیت کا دار و مدار بھی اسی چیز پر ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ " الآیۃ

حضرت کا اتباع سنت میں شدت اہتمام کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے، جان کے بچاؤ کی خاطر تو شریعت میں زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی بھی اجازت ہے جبکہ دل میں ایمان راسخ ہو، لیکن ایسے خطرہ کے موقع پر حضرت نے اتباع سنت میں بھی عزیمت کو نہیں چھوڑا،

انگریز کے خلاف مسلح جہاد کے جرم میں حضرت کی تلاش تھی۔ حضرت اپنے مکان میں روپوش ہو گئے۔ پھر تین دن کے بعد جبکہ ہنوز زور و شور سے حضرت کی تلاش جاری تھی اور مجاہدین کی گرفتاریاں بھی ہو رہی تھیں حضرت یکایک مکان سے باہر نکل آئے اور کسی کے روکنے سے بھی نہ رکے اور یہ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں صرف تین دن ہی رہے تھے، آگے پھر اللہ تعالیٰ نے جیسے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی ایسے ہی سچے عاشق اور متبع کا بال بھی بیکا نہیں ہوا جب کہ گرفتار کرنے والوں کا سامنا بھی کئی دفعہ ہوا، جس کی تفصیل حضرت کی سوانح میں ہے۔

ظاہری علم | ظاہری علم بھی جبکہ اس کے ساتھ ساتھ باطنی نور ہو تب ہی وہ حقیقی علم کہلاتا ہے، اور نور کا تعلق شعبۂ تصوف ہی سے ہے۔ حضرت کے علوم کے متعلق حضرت کی تصانیف مثلاً تقریر دلپذیر، آب حیات، تحذیر الناس، اسرار طہارت وغیرہ شاہد ہیں، اور شاگردوں میں دار العلوم کے پہلے طالب علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کا نام نامی ہی کافی ہے، جن کے شاگردوں میں حضرت شیخ الاسلام مدنی اور حکیم الامت مجدد الملت محی السنۃ ماحی البدعۃ تھانوی جیسے حضرات تھے،

غیر مقلدین کے نہایت جوشیلے امام علامہ محمد حسین بٹالوی نے ایک دفعہ حضرت سے فاتحہ خلف الامام، رفع یدین آمین بالجہر وغیرہ بہت سے مختلف فیہ مسائل میں گفتگو کی۔ مولانا محمد حسین صاحب مذہب احناف بیان فرماتے اور حضرت والا دلائل سے اسے ثابت کرتے۔ حضرت کی تقریروں کے درمیان مولانا محمد حسین صاحب جھوم جھوم جاتے اور بعض اوقات جوش میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے کہتے کھڑے ہونے کے قریب ہو جاتے۔ جب گفتگو ختم ہو چکی تو مولوی محمد حسین صاحب

کی زبان سے بیساختہ یہ فقرہ نکلا کہ مجھے "تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور مقلد ہو" یعنی بایں زور علم و فراست و قوتِ استنباط تقلید کے کیا معنی؟ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا "اور مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور غیر مقلد ہو" اھ مختصراً

والفضل ما شهدت به الأعداء | مشہور مناظرہ میلہ خدا شناسی میں آریہ سماج کے سب سے بڑے پنڈت دیانند سرسوتی دوران مناظرہ میں حضرت کی تقریر سن کر لاجواب ہو کر بے ساختہ پکار اٹھا کہ "اس شخص کے سر پر علم کی دیوی ناچتی ہے"

شیعوں کی بے ادبی کے قصد کا عبرتناک واقعہ | حضرت نانوتوی کے عام طور پر عیسائی پادریوں اور ہندو مذہب خصوصاً آریوں اور شیعوں کے مناظرے مشہور ہیں،

بروایت حضرت مولانا عبداللہ فاروقی قدس سرہ ایک مناظرے کی فضا خراب کرنے اور حضرت کی تضحیک کے ارادہ سے رافضیوں نے اپنی سرشت کے مطابق یہ منصوبہ بنایا کہ ایک زندہ آدمی کو لٹا کر جنازہ کی شکل بنائی اور حضرت سے عرض کیا کہ یہ ایک جنازہ تیار ہے آپ نماز پڑھا دیں۔ حضرت نے بہت انکار فرمایا کہ آپ اپنے مذہب کے آدمی سے جنازہ پڑھواؤ مجھ سے کیا مطلب، انھوں نے بہت منت سماجت کی کہ اس کی وصیت تھی کہ آپ جنازہ پڑھادیں۔ اس وقت حضرت کو جوش آیا اور فرمایا لاؤ میں پڑھادوں چنانچہ پڑھا دیا۔ اب شیعوں نے منصوبے کے مطابق لیٹے ہوئے آدمی کو دیکھا کہ شور مچانے کے لئے نہیں اٹھا تو چارپائی ٹھونکی کہا کہ بھائی اٹھ۔ اس کے جواب میں حضرت نے آہستہ سے فرمایا کہ جاکے دفن کر دو کہ اب یہ قیامت کے دن اٹھے گا، کپڑا اٹھا کے دیکھا تو وہ شخص مردہ تھا۔ شیعوں کو بہت ندامت اور ذلت اٹھانی پڑی۔

اللهم انا نعوذ بك من غضبك وغضب رسولك صلى الله عليه وسلم وغضب اوليائك۔

آمین یارب العلمین

اللہ معاف کرے

محمد اقبال مدینہ منورہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصیدۂ بہاریہ در نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نہووے نغمہ سرا کس طرح سے بلبلِ زار
کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار

ہر اک کو حسبِ لیاقت بہار دیتی ہے
کسی کو برگ کسی کو گل اور کسی کو بار

کیا ہے بھیج کے سیل آبِ چاہ کو معزول
بجائے بادِ صبا بوئے گل ہے کارگذار

کریں ہیں مرغِ چمن سارے مشق موسیقی
کہ گانے ہیں انھیں اس سال شکرِ حق میں ملار

بہارِ گل کی خبر سن کے چھڑکے ہے پانی
سحاب سبزۂ پژمردہ پر کہ ہو ہوشیار

پھریں ہیں کھیلتے آبِ روان و بادِ صبا
کِھلیں ہیں غنچے، ہنسیں ہیں گل اور خوش ہے ہزار

خوشی سے مرغِ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں
کفِ ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار

اچھلتے ہیں کہیں دیکھ اک طرف کو فوارے
کہیں ہیں کودتے اونچے سے آب پر اثمار

چمن کو دیکھ کے پھولا پھلا ہوا قمری
کرے ہے سرو پہ تسبیح حق پکار پکار

ہوا ہے چرخ کا سب اب کے صرف بارشِ آب
زمین سے اسے ہووے گی حاجتِ امطار

چمن میں کثرتِ گل سے رہی نہ گنجایش
پھرے ہے چار طرف بوئے گل خدائی خوار

عجب نہیں جو جمیں آب تیغ سے پھر سر
کہ نام آب ہی نشو و نما کو ہے درکار

سمجھ کے تخمِ بشر کیا عجب جو مردوں کو
قوای نامیہ دیں اب کی بار برگ و بار

یقیں ہے اب کے تروتازگی کے باعث سے
بغیر آگ کے پکنا ہو کشت کا دشوار

جو بوئیں ہاتھ سے اپنے ہی زاہدانِ خشک
تو نکلے شجرۂ طوبیٰ زدانہ ہائے شمار

شرارِ دانۂ بارود کو لگیں جھیں پھول
عموم فیض بہاری سے آگ ہے گلزار

یہ فیض عام ہے سر پر ہرن کے شاخیں ہیں
بدن میں شیر کے گل اور دم میں بیھ کے خار

بجھائی ہے دل آتش کی بھی تپش یارب
کرم میں آب کو دشمن سے بھی نہیں انکار

بساطِ سبزِ شجر بنا ہے صحنِ چمن
پڑا جو سطح پہ سبزہ کے سایۂ اشجار

ہوا کو غنچۂ دل بستہ کی ہے دلجوئی
ادھر ہے آب تلک شاخ و برگ سب پہ نثار

کرے ہے سبزۂ نوخاستہ پہ گل سایہ
اُڑھاتی آبِ رواں کی ہیں چادریں انہار

یہ قدر خاک ہے ہیں باغ باغ وہ عاشق
کبھی رہے تھا سدا جن کے دل کے بیچ غبار

نہ ہووے رشک سے لالہ کے دل پہ کب تک داغ
کہ گل ہے سوختہ جاں تھی جو شمع آتشبار

نہ ہووے دنگ کوئی کب تلک کہ لالۂ گل
نکالیں سبز شجر سبزہ سرخ گل سے عذار

جلائے گر کہیں ہم شکل شاخ شمع کو بھی
دھوئیں بکھیرتے آتش کے دم میں بادِ بہار

یہ ربط ہے گل و بو میں اگر جدا ہو بو
تو جان کھونے کو ہوا اپنی گل وہیں تیار

لگائے منھ بھی نہ گلدم خدا کی قدرت ہے
اور اس کی دم سے لگا یوں پھرے گل بے خار

چنور سنہری بنائے ہیں ہر شجر کے لئے
شعاع کی مہ و خور میں لگا کے چرخ نے تار

سمجھ کے غنچۂ لالہ کرے ہے گل ورنہ
نسیم تیز کو کچھ شمع سے نہیں پیکار

جو شکل شاخ بنا کر کے شمع کچھ مانگے
تو منصب شجر طور ہی دلائے بہار

یہ سبزہ زار کا رتبہ ہے شجرۂ موسیٰ
بنا ہے خاص تجلی کا مطلع انوار

اسی لئے چمنستاں میں رنگ مہندی نے
کیا ظہور ورق ہائے سبز میں ناچار

منوّد کو ہے گماں دیکھکر یہ اعجوبے
کہ اب کے لیں ہیں پیا جنم سبزہ زار میں اوتار

نزاکت چمنستاں بیان کیا کیجے
کہ صنع حق کے تئیں دیکھ عقل ہے بیکار

نہ شاخ گل کے تئیں تاب بار شبنم ہے
نہ کوئی لمحہ ہے شبنم کو دھوپ ہی کی سہار

ہوا کی ایک ٹھسک سے ہے چور چور حباب
رگڑ سے آب کی ڈھا گئیں ہیں آب جو کی نگار

پڑے پھپولے حبابوں کی نرمیِ تن سے
بندھا جو بوندوں کا کثرت سے تن پہ اک تار

گرا دیا ہے تلے گل نے بار سایہ کو
کہ رنگ و بو کا اٹھانا بھی تھا اسے دشوار

نہ ہو کہاں تئیں آب رواں کا پتلا حال
خراش سبزہ بچا سر پہ سایۂ گل بار

پچھاڑ کھا کے گرے ہے چمن میں چادر آب
ہوا ہے کثرت لغزش سے آب بھی ناچار

کمر پہ بار گراں بوئے گل تلے پھسلن
نہ لڑکھڑائے کہاں تک ہوا دم رفتار

جو گر پڑے تو اٹھا جا نہ سایۂ گل سے
نہ تھم سکے جو پھسل جائے موجۂ جو بار

کہاں زمین کہاں یاسمین و لالہ و ورد
فلک بھی گرد ہوا دیکھکر چمن کی بہار

زمیں سے چرخ ہے ہر طرح اب کے شرمندہ
زمیں میں گڑ جا اگر چرخ کی بسے کچھ پار

دکھائے چرخ اگر اپنے چاند و سورج کو
مقابلہ پہ ہر اک حوض باغ ہو تیار

کئے ہیں آپ زمیں نے جواب بارش میں
بجائے بوندوں کے فوارے اس طرف تیار

پہونچ سکے شجر طور کو کہیں طوبے
مقام یار کو کب پہنچے مسکن اغیار

زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرق چرخ و زمیں
یہ سب کا بار اٹھائے وہ سب کے سر پہ بار

کرے ہے ذرہ کوئے محمدی سے خجل
فلک کے شمس و قمر کو زمین لیل و نہار

فلک پہ عیسی و ادریس ہیں تو خیر سہی
زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیِ احمد
زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

نثار کیا کروں مفلس ہوں نام پر اسکے — فلک سے عقد ثریا لوں دے اگر وہ ادھار
ثناگر اس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ — کہاں کا سبزہ کہاں کا چمن کہاں کی بہار
ثناگر اس کی اگر حق سے کچھ لیا چاہے — تو اس سے کہہ اگر اللہ سے ہے کچھ درکار
الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
کہاں وہ رتبہ کہاں عقل نارسا اپنی — کہاں وہ نور خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار
چراغ عقل ہے گل اس کے نور کے آگے — زباں کا مُنھ نہیں جو مدح میں کرے گفتار
جہاں کہ جلتے ہوں پر عقل کل کے بھی پھر کیا — لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں مرے افکار
مگر کرے مری روح القدس مددگاری — تو اس کی مدح میں میں بھی کروں رقم اشعار
جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے — تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہاں کے سردار
تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیر لشکر پیغمبراں شہ ابرار
خدا ترا تو خدا کا حبیب اور محبوب — خدا ہے آپ کا عاشق تم اس کے عاشق زار
تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی — تو نور شمس گر اور انبیا ہیں شمس نہار
حیات جان ہے تو ہیں اگر وہ جانِ جہاں — تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار
طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی — بجا ہے کہیے اگر تم کو مبدء الآثار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بہ وجود — قیامت آپ کی تھی دیکھئے تو اک رفتار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں — جو ہو سکے تو خدائی کا اک تری انکار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال — بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار

جو دیکھیں اتنے کمالوں پہ تیری یکتائی — رہے کسی کو نہ وحدت وجود کا انکار

یہ اجتماع کمالات کا تجھے اعجاز — دیا تھا تا نہ کریں انبیاء کہیں تکرار

تو ہے آئینہ کمالات کبریائی کا — وہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوۂ دیدار

پہنچ سکا ترے رتبہ تلک نہ کوئی نبی — ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار

جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے — کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

لگا تا ہاتھ نہ پتلہ کو بوالبشر کے خدا — اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار

خدا کے طالب دیدار حضرت موسیٰ — تمہارا لیجیے خدا آپ طالب دیدار

کہاں بلندی طور اور کہاں تری معراج — کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار

جمال کو ترے کب پہنچے حسن یوسف کا — وہ دل ربائے زلیخا تو شاہد ستار

اگر قمر میں کچھ آجائے تیرے چہرہ کا نور — تو رات دن ہو اور آگے ہو اس کے دن شب تار

جمال ہے ترا معنی حسن ظاہر میں — کیا ہے معجزہ سے تو نے آپ کو اظہار

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت — نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار

سوا خدا کے بھلا تجھ کو کیا کوئی جانے — تو شمس نور ہے شپر نمط اولوا الابصار

سما سکے تری خلوت میں کب نبی و ملک — خدا غیور تو اس کا حبیب اور اغیار

جو آئینہ میں پڑے عکس خال کا تیرے — تو رشک مہر کا ہو جائے مطلع الانوار

تمہارا خال قدم دیکھ رشک سے مہ کے — جگر پہ داغ ہے سورج کو ہے عذاب النار

نہ بن پڑا وہ جمال آپ کا سا اک شب بھی — قمر نے گو کہ کروڑوں کئے چڑھاؤ اتار

اگر پڑے ترے تلوے میں عکس سورج کا — تو آگے نور قدم کے ہو تیرے خال شمار

سفید دیدۂ بے نور سا ہے دیدۂ خور — بصیر ہونے کو تلوے کا تل ہے تیرے بکار

بنا شعاعوں کی جاروب تیرے کوچہ سے جو | کرے ہے دور اندھیرے کا روز گرد و غبار

اگر ترے رخ روشن سے گل کو دوں تشبیہ | شعاع مہر کو ہو آرزوئے منصب خار

مربی مہ و خور ذرے تیرے کوچہ کے | معلم الملکوت آپ کا سگِ دربار

خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے | تو جس قدر ہے بھلا میں برا اسی مقدار

نہ پہنچیں گنتی میں ہرگز ترے کمالوں کی | مرے بھی عیب شہ دوسرا اشرا ابرار

قبول جرم سے امت کے تیری کھا دھوکا | عجب نہیں ہے جو شیطان بھی ہو نیکوکار

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش | تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

عجب نہیں تری خاطر سے تیری امت کے | گناہ ہوویں قیامت کو طاعتوں میں شمار

بکیں گے آپ کی امت کے جرم ایسے گراں | کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار

کفیل جرم اگر آپ کی شفاعت ہو | تو قاسمی بھی طریقہ ہو صوفیوں میں شمار

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت | گناہ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار

گناہ کیا ہے اگر کچھ گنہ کئے میں نے | تجھے شفیع کہے کون گر نہ ہوں بدکار

تمہارے حرف شفاعت پہ عفو ہے عاشق | اگر گناہ کو ہے خوف غصۂ قہار

یہ سن کے آپ شفیع گناہ گاراں ہیں | کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار

ترے لحاظ سے اتنی تو ہو گئی تخفیف | بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار

دعا تری مرے مطلب کی ہو اگر حامی | تو بخت بد کو ملے حق کے گھر سے بھی پھٹکار

یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ | قضائے مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار

خدا ترا تو جہاں کا ہے واجب الطاعۃ | جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سروکار

قضا کو تیری یہ خاطر مگر تجھے وہ ہے | قضائے حق سے نیاز اور نیاز کا اقرار

اگر جواب دیا بیکسوں کو تو نے بھی
تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار

کروڑوں جرموں کے آگے یہ نام کا اسلام
کریگا یا نبی اللہ کیا مرے پہ پکار

دکھائے دیکھئے کیا اپنا طالع بد ہیں
نگاہِ لطف تری ہو نہ گر مری غم خوار

برا ہوں بد ہوں گنہگار ہوں پہ تیرا ہوں
ترا کہیں ہیں مجھے گو کہ ہوں میں ناہنجار

لگے ہے سگ کو ترے میرے نام سے گو عیب
پہ تیرے نام کا لگنا مجھے ہے عز و وقار

تو بہترین خلائق میں بدترین جہاں
تو سرورِ دو جہاں میں کمینہ خدمت گار

بہت دنوں سے تمنا ہے کیجئے عرضِ حال
اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار

وہ آرزوئیں جو ہیں مدتوں سے دل میں بھری
کہوں میں کھول کے دل اور نکالوں دل کا بخار

مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا
وہاں ہو قاسمِ بے بال و پر کا کیونکہ گذار

نہ جبرئیل کے پر ہیں نہ ہے براق کوئی
جو اڑ کے در تئیں پہونچوں تمہارے یا ہو سوار

کشش پہ تیری لئے اپنا بار بیٹھے ہیں
تکے ہے تیری طرف کو یہ اپنا دیدۂ زار

یہ میری جان نکمی سی تھی سو اس کے بھی
پڑے ہیں چرخ و زماں پیچھے باندھ کر ہتھیار

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار

دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی
کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار

لیا ہے سگ نمط ابلیس نے مرا پیچھا
ہوا ہے نفس موا سانپ سا گلے کا ہار

وہ عقل بے خرد اپنی یہ زور حرص ہوا
اسے سمجھاؤں میں یا ان سے آ کے ہوں دوچار

دکھائے ہے مرے دل کے لبھانے کو ہر دم
ہزار طرح کے دنیائے کہنہ سال سنگار

ادھر ہجوم تمنا ادھر نصیبوں سے
کرے ہے بختِ زبوں ہر امید سے انکار

رجا و خوف کی موجوں میں ہے امید کی ناؤ — جو تو ہی ہاتھ لگائے تو ہووے بیڑا پار

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھکو مور و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے — کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

اڑا کے باد مری مشتِ خاک کو پسِ مرگ — کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا — کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مگر نسیم مدینہ ہے گرد باد بنا — کشاں کشاں مجھے لے جا جہاں ہے تیرا مزار

ہوس نہیں مجھے اس سے بھی کچھ رہی لیکن — خدا کی اور تری الفت سے میرا سینہ فگار

لگے وہ تیر غمِ عشق کا مرے دل میں — ہزار پارہ ہو دل خون دل میں ہو سرشار

لگے وہ آتشِ عشق اپنی جان میں جس کی — جلا دے چرخ ستمگر کو ایک ہی جھونکار

صدائے صورِ قیامت ہو اپنا اک نالہ — بجائے برق ہو اپنی ہی آہ آتشبار

چبھے کچھ ایسے مرے نوک خارِ غم دل میں — کہ چھوٹے آنکھوں کے رستے اک لہو کی فوار

یہ ناتواں ہوں غمِ عشق میں کہ جائے نکل — ذرا بھی جان کو اوپر کا سانس دے جو سہار

تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا — کہ آنکھیں چشمۂ آبی سے ہوں درونِ غبار

یہ لاغری ہو؟ کہ جان ضعیف کو دم لفتل — نہ ہووے ساتھ اٹھانا بدن کا کچھ دشوار

رہے نہ منصب شیخ المشائخی کی طلب — نہ جی کو بھائے یہ دنیا کا کچھ بناؤ سنگار

ہوا اشارہ میں دو ٹکڑے جوں قمر کا جگر — کوئی اشارہ ہمارے بھی دل کے ہو جا پار

یہ کیا ہے شور و غل اتنا سمجھ تو کچھ قاسم — نہ کچھ بڑا ترا رتبہ نہ کچھ بلند تبار

تو تھام اپنے تئیں حد سے پا نہ دھر باہر — سنبھال اپنے تئیں اور سنبھل کے کر گفتار

ادب کی جا ہے یہ چپ ہو تو اور زباں کر بند — وہ جانے چھوڑ اسے پر نہ کر تو کچھ اصرار

دلِ شکستہ ضروری ہے جوشِ رحمت کو — گرے ہے باز کہیں جب تلک نہ دیکھے شکار

وہ آپ رحم کریں گے مگر سنیں تو سہی — شکستِ شیشۂ دل کی ترے کبھی جھنکار

بس اب درود پڑھ اس پر اور اس کی آل پہ تو — جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اس کی عترتِ اطہار

الٰہی اس پہ اور اس کی تمام آل پہ بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کو شمار

قصیدہ بہاریہ کا تعارف و تشریح

از

مولانا نظام الدین اسیر ادروی

حضرت نانوتوی کا قصیدہ بہاریہ

در نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محسن کاکوروی کا قصیدہ ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' کافی مشہور ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے سلسلہ میں یہ ایک نیا تجربہ تھا، لیکن اس قصیدہ پر ہندو مذہبیات کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ دیر تک رہوارِ فکر کاشی اور متھرا کی فضاؤں میں دوڑتا ہوا نظر آتا ہے جبکہ وحدانیت اور توحید کا پیغام لیکر آنے والے شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال ایسے ماحول اور ایسی فضا میں کیا جانا چاہئے تھا جو آپ ﷺ کے منصب نبوت کے شایان شان ہے۔

اس کے برخلاف مولانا قاسم نانوتویؒ کے قصیدہ بہاریہ میں ایک ایسی لطیف و پاکیزہ، عشق و محبت کے جذبات میں آگ لگا دینے والی فضا کی منظر کشی اور مناظر فطرت کی عکاسی کی گئی ہے جو دلوں کو بدمست اور سرشار کر دیتی ہے، احساسات پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے، شوریدگی و آشفتگی اور ایسی بیتابی کا ماحول بن جاتا ہے جو محبوب رب العالمین کے استقبال اور خیر مقدم کے شایان شان ہے عشق میں دیوانگی کا ظہور بہار کی آمد سے وابستہ ہے، گریبان کے چاک کرنے اور دامن کو تار تار کرنے کا یہی موسم ہے، پوری اردو شاعری اس کی عکاس ہے اس لئے حضرت نانوتوی کا یہ نعتیہ قصیدہ بہاریہ ہونے کی وجہ سے بڑا وجد آفریں اور احساسات کو مہمیز کرنے والا ہے اور جب بہار کی منظر کشی کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل آتا ہے تو روح عشق و محبت کے جذبات سے سرشار ہو جاتی ہے۔

حضرت نانوتوی شاعر تھے؟ میرے ذہن میں اسکا تصور بھی نہیں تھا، کیوں کہ میں ان کو تحصیل شاملی کے محاذ پر تلوار چلاتے ہوئے دیکھتا ہوں، میلہ خدا شناسی میں پادریوں اور آریہ سماجیوں کو ایسے گھاٹ پر مارتے پاتا ہوں جہاں ان کو پانی بھی نہ مل

سکا، رڑکی میں دیانند سرسوتی کی پناہ گاہ میں گھس کر ان کی چرب زبانی کے لبادہ کو تارتار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، فرسودہ اور بوسیدہ علم کلام کی جگہ ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈال کر اس پر ایک شاندار محل تعمیر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مسلمانوں کا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے دار العلوم دیوبند کا نقشہ بنانے میں مصروف ہیں آخر انہوں نے شعر وشاعری سے کب دلچسپی لی؟ ان کی شخصیت اور ان کے گردوپیش کے ماحول سے شاعری کا کوئی جوڑ اور ربط نظر نہیں آتا، وہ تنہائی پسند، تقشّف کی حد تک زاہد مرتاض نظر آتے ہیں لیکن ان کے کاغذات میں یہ قصیدہ بہاریہ نعتیہ ملا تو یقین کرنا پڑا کہ یہ کلام انہیں کا ہے اور یہ جوہر بھی ان کی تہ در تہ شخصیت میں کہیں پوشیدہ تھا جس کا ظہور بعد میں ہوا۔

حضرت نانوتوی غالب، مومن اور میر کے ہم عصر ہیں یہ تینوں اردو شاعری کے اکبر، جہاں گیر اور شاہجہاں ہیں، اقلیم سخن پر ان کی حکمرانی تھی، حضرت نانوتوی اس حکمراں طبقہ میں نہیں تھے وہ تو عبد الحق محدث دہلوی شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبد العزیز محدث کی صف میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن ذہین وفطین انسان اپنے گرد وپیش پر ناقدانہ نظر رکھتا ہے، اپنے گردوپیش کے حالات سے بے تعلق ہو کر بھی اس کا مزاج شناس ہوتا ہے، شاعری بھی اس دور میں ذریعہ اظہار کا بہت مؤثر وسیلہ تھا اگر علماء کی صفوں میں بھی اس ذریعہ اظہار کو اپنانے والے کچھ لوگ ملتے ہیں تو یہ کوئی حیرتناک بات نہیں ہے، حضرت نانوتوی کا شمار بھی انہیں علماء میں تھا جن کی فطرت میں جوہر شاعری پوشیدہ تھا، اور اس کا کبھی کبھی ظہور بھی ہوا۔

حضرت نانوتوی کا وہ قصیدہ (۱۵۱) اشعار پر مشتمل ہے، اس کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ کہنہ مشق اور ایک قادر الکلام شاعر تھے، لیکن اس کمال کا ظہور اس لئے نہیں ہوا کہ آپ کے سامنے ایک طوفانی زندگی اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی جو آپ کے شاعرانہ جذبات کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اس سے نبرد آزمائی وقت کا پہلا اور بڑا فریضہ تھا، اس طوفانی دور میں شاعری ''تیز آندھی میں

چراغوں کا سفر ہو جیسے'' لیکن یہ حیرت انگیز حقیقت کیسے تسلیم کی جائے، اتنے طویل قصیدہ کہنے میں کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جب سالہا سال مشق سخن کا سلسلہ رہا ہو، یک بیک اتنا مرصع کلام تخلیق کرنا تجربات کی دنیا میں قابل تسلیم نہیں معلوم ہوتا لیکن حضرت نانوتوی کا کلام ہم کو کہیں نظر نہیں آتا سوائے اردو و فارسی کی چند نظموں کے، اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے آپ نے نظمیں لکھی ہونگی لیکن نہ کسی کو سنایا نہ اس کی اشاعت ہونے دی پھر وہ ضائع ہو گئیں اس کی حفاظت آپنے مناسب نہیں سمجھی ہوگی لیکن ان تمام شکوک وشبہات کے باوجود یہ قصیدہ بہاریہ آپ کی تخلیق ہے اور اس کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت نانوتوی میں قوت تخئیل وہبی تھی، ہر ذہین وفطین انسان کی فطرت میں یہ جوہر موجود رہتا ہے اور اس کا ظہور مختلف شکلوں میں ہوتا ہے لیکن طائر تخیل کی بلند پروازی کو اپنے حدود میں رکھنے کے لئے قوت ممیّزہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ بے سمت پرواز کو روک سکے اور یہ جوہر تجربات ومشاہدات پر گہری نظر رکھنے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ کسبی ہوتا ہے میں سمجھتا ہوں حضرت نانوتوی میں یہ دونوں قوتیں بدرجہ اتم موجود تھیں صرف الفاظ کا صحیح استعمال جو تخیل کی بنائی ہوئی تصویر متشکل کر کے دوسروں کے سامنے پیش کر سکے اسی کا نام شاعری ہے حضرت نانوتوی کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر پوری قدرت حاصل تھی اس لئے وہ اس طویل قصیدہ کے کہنے میں کامیاب ہوئے، قصیدہ پر غائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہوا ہے کہ الفاظ کی گہرائی معنویت اور ان کی وسعتوں پر آپ کی نگاہ تھی آپ کی نثری کتابوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس لئے یہ طویل قصیدہ آپ کے قلم کا شاہکار بن کر ظاہر ہوا تو کوئی تعجب خیز انکشاف نہیں بلکہ ایک صداقت تھی جو دیر میں ظاہر ہوئی۔

ایک بات اور حضرت نانوتوی کا ابتدائی دور اردو کے عنفوان شباب کا دور تھا ابھی اس میں پختگی نہیں آئی تھی بہت سے الفاظ اس زمانہ میں مستعمل تھے جو بعد میں متروک ہوئے، یہ الفاظ اردو شاعری میں ہر شاعر کے یہاں ملتے ہیں اسی طرح بہت سے

الفاظ کا تلفظ اور لب ولہجہ بھی آج سے مختلف تھا بعد کے دور میں اس کی بھی اصلاح کردی گئی، اس لئے حضرت نانوتوی کے اس قصیدہ میں بھی ایسے الفاظ، تلفظ اور لب ولہجہ کو اختیار کیا گیا ہے جو بعد کے دور میں متروک ہوئے اس قصیدہ کا مطالعہ اسی دور کے چوکھٹے میں رکھ کر کرنا چاہئے۔

قصیدہ میں تخیل کی بلند پروازی، تجربات ومشاہدات کی خوب صورت منظر کشی مظاہر فطرت کا مطالعہ اور اس کی تصویر کشی اتنے دل کش انداز میں ہے کہ پڑھتے ہوئے طبیعت پھڑک اٹھتی ہے، قصیدہ کا عنوان ہے ''قصیدہ بہاریہ در نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

نہ ہووے نغمہ سرا کس طرح سے بلبل زار
کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار

ہر اک کو حسب لیاقت بہار دیتی ہے
کسی کو برگ، کسی کو گل اور کسی کو بار

کیا ہے بھیج کے سیل آب چاہ کو معزول
بجائے بادصبا، بوئے گل ہے کار گذار

کریں ہیں مرغ چمن سارے مشق موسیقی
کہ گانے ہیں انہیں اس سال شکر حق میں ملار

حضرت نانوتوی کہتے ہیں کہ بہار کی آمد آمد کا شہرہ ہے، آسمان سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے پھولوں کی خوشبو فضا میں ہر طرف دڑتی پھرتی جیسے باد صبا کے ہاتھ سے چمن کی آرائش کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور بوئے گل چمن کو سنوارنے اور سجانے میں لگی ہوئی ہے تمام مرغان چمن نے جو خوش الحان ہیں ابھی سے موسیقی کی مشق شروع کردی ہے کیونکہ جب بہار کی سواری اس سال آئے گی تو اس کے استقبال میں استقبالیہ ترانے گانے ہیں اس کی بعد حضرت نانوتوی کہتے ہیں۔

بہار گل کی خبر سن کے چھڑکے ہے پانی
سحاب، سبزۂ پژمردہ پر کہ ہو ہوشیار

پھریں ہیں کھیلتے آب رواں و باد صبا
کھلے ہیں غنچے ہنسیں ہیں گل وخوش ہیں ہزار

خوشی سے مرغ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں
کف ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار

اچھلتے ہیں کہیں دیکھ اک طرف کو فوارے
کہیں ہیں کودتے اونچے سے آب پر ابشار

چمن کو دیکھ کے پھولا پھلا ہوا قمری
کرے ہے سرو پہ تسبیح حق پکار پکار

آدمی کی آنکھیں جب نیند سے بوجھل ہونے لگتی ہیں تو پانی کے چھینٹے ڈال کر اس کو ہوشیار کیا جاتا ہے اس تجربہ سے کام لیکر حضرت نانوتوی نے کہا: دھوپ کی شدت کی وجہ سے سبزے مرجھا جاتے ہیں جو چمن میں اداسی پیدا کرتے ہیں بادل کو خیال آیا کہ موسم گل کی آمد آمد کا شہرہ ہے اور کائنات کی ہر چیز کو سنوارنا سجانا اور اس کو استقبال کے لئے چاق و چوبند کرنا میری ذمہ داری ہے اس لئے اس نے اونگھتے ہوئے پودوں پر پانی چھڑک کر ان کو ہوشیار کردیا یہ ہر شخص کا مشاہدہ ہے کہ جوں ہی پہلی بارش ہوتی ہے سبزوں میں تازگی آجاتی ہے سکڑے سمٹے ہوئے سبزے پانی پی کر کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر حضرت نانوتوی بتاتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کی خبر کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اس لئے ہر طرف بہجت ومسرت کے نظارے نظر آتے ہیں، جب کہیں خوشی کی کوئی تقریب ہوتی ہے تو بچے بچیاں رنگ برنگ کے کپڑے پہنے ہر طرف بے مقصد دوڑتے پھرتے ہیں ہنستے کھیلتے نظر آتے ہیں ہر دیکھنے والا سمجھ جاتا ہے کہ یہاں کوئی جشن خوشی کی کوئی تقریب ہونے والی ہے، اس طرح کائنات کی ہر چیز فرط مسرت سے کھیل کود کر رہی ہے آب رواں، باد صبا خوشی سے دوڑ بھاگ کر رہے ہیں، چمن میں غنچوں اور پھولوں کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی ہے، بلبل ہزار داستان اپنی جگہ ''حق سرہٗ'' کہہ کر اپنی خوشی کا اظہار کررہا ہے کہ اب جلدی بہار کا روح افروز دور آنے والا ہے جب اس کو نغمہ سرائیوں کا سنہرا موقعہ ہاتھ آئیگا۔

باغوں میں چڑیوں کی چہچہاہٹ ان کا گانا ہے ادھر ادھر پھدکتے پھرنا ان کا رقص مسرت ہے اس محفل طرب میں درختوں کے پتے ہوا کے جھونکوں سے تالیاں بجاتے ہیں پانی کے فوارے وفور مسرت سے اچھل رہے ہیں آبشار کا پانی پچاسوں فٹ کی بلندی سے نیچے پانی کی سطح پر کود کر اپنی مسرت کا اظہار کر رہا ہے، قمری سرو کے اونچے اونچے درختوں پر بیٹھ کر بہجت ومسرت کے موقعہ پر ''سبحان تیری قدرت'' کے نغمے الاپ رہی ہے گویا پوری کائنات فرط مسرت سے جھوم رہی ہے، ہر طرف خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں ہر چیز سے مسرت نمایاں ہے، حضرت نانوتوی کا طائر فکر

کن کن وادیوں کی خبر رکھتا ہے درج ذیل اشعار دیکھئے۔

ہوا ہے چرخ کا سب، اب کے صرف بارش آب   زمین سے اسے ہووے گی حاجت امطار
چمن میں کثرت گل سے رہی نہ گنجائش   پھرے ہے چار طرف بوئے گل، خدائی خوار
عجب نہیں جو جمیں آب تیغ سے پھر سر   کہ نام آب ہی نشو ونما کو ہے درکار
سمجھ کے تخم بشر، کیا عجب جو مردوں کو   قوائے نامیہ دیں اب کی بار برگ و بار

استقبالِ بہار کے اہتمام میں پورے چمنستانِ عالم کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے آسمان نے اتنی فیاضی سے بارش کی ہے کہ اس کا سارا خزانہ آب ختم ہوگیا ہے، اگر اتفاقاً آسمان کو بھی پانی کی ضرورت پیش آگئی تو اس کو زمین سے پانی مانگنا پڑے گا، اسی وجہ سے چمن میں پاؤں رکھنے کی بھی گنجائش نہیں رہ گئی، انتہا یہ ہے کہ جو خوشبو ہمیشہ پھولوں کے ساتھ رہی جہاں پھول رہا وہیں خوشبو بھی رہی مگر پھولوں کے اژدحام کی وجہ سے خوشبو کو پھولوں کی صحبت نصیب نہیں کیونکہ چمن میں پاؤں رکھنے کی گنجائش ہی نہیں ہے اس لئے خوشبو ہر طرف آوارہ و سرگشتہ گھوم پھر رہی ہے شاعر کو صرف یہ کہنا ہے کہ ہر طرف خوشبو پھیلی ہوئی ہے، لیکن اس اندازِ بیان نے کتنا خوبصورت اور محسوس منظر پیش کر دیا ہے پھر حضرت نانوتوی کہتے ہیں کہ بہار کی آمد آمد کی خبر سے نشو ونما کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ’’آبِ تیغ‘‘ (تلوار کی دھار) جو انسان سے حیات چھین لیتی ہے اس کا وجود مٹا دیتی ہے لیکن اب بہار کی قوت اتنی طاقتور ہے کہ آپ میں چونکہ پانی (آب) کا ذکر ہے اور اب صرف پانی کا نام لینا نشو ونما کے لئے کافی ہے اس لئے آب تیغ سے انسان مرنے کے بجائے زندگی پاجائیگا ایسی زبردست قوت نمو کی وجہ سی مُردوں اور لاشوں میں جان پڑ جائیگی کیونکہ قوت نمو اس کو تخلیق انسان کے لئے بیج سمجھ لے گی اور بیج سے پیداوار ہوتی ہے اس لئے انہی لاشوں سے انسان از سرِ نو وجود میں آجائیں گے، یہ بہار کی پیدا کردہ زبردست قوت نمو کا فیض ہوگا، اس کے بعد کے اشعار ہیں۔

یقیں ہے اب کے تر و تازگی کے باعث سے   بغیر آگ کے پکنا ہو کشت کا دشوار

جو بوئیں ہاتھ سے اپنے ہی زاہدان خشک   تو نکلے شجرہ طوبیٰ زدانہ ہالے شمار
شرار دانۂ بارود کو لگے ہیں پھول   عموم فیض بہاری سے آگ ہے گلزار

کھیتوں میں گندم کی بالیوں میں دانے اس وقت پکتے ہیں جب ان کو دھوپ کی تمازت ملتی ہے کھیتوں کو سورج کی حرارت کی ضرورت ہوتی ہے، اس سال موسم بہار کی شادابی اور تر و تازگی کا یہ عالم ہے کہ سورج کی حرارت ناکام ہوگئی ہے اور کھیتوں میں دانوں کو پکانے کی صلاحیت اس سے ختم ہوگئی ہے اس لئے آگ جلا کر کھیتوں کو حرارت پہنچانے کا نظم کرنا ہوگا تبھی کھیتوں میں دانے پختہ ہونگے ’’زاہدان خشک‘‘ میں لفظ خشک سے کام لیتے ہوئے حضرت نانوتوی نے کہا کہ خشکی اور طراوٹ تو دونوں متضاد ہیں سوکھی زمین میں کوئی پودہ جم نہیں سکتا اگر دھول اڑاتی ہوئی زمین میں پودے گاڑ بھی دئے جائیں تو چند گھنٹوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو جائینگے لیکن اب کے موسم بہار کی طراوٹ اور تر و تازگی اور شادابی کا حال یہ ہے کہ خشک زمین میں بھی پودے لگا دئے جائیں وہ شجرۂ طوبیٰ کی طرح ہرے بھرے ہونگے ’’زاہدان خشک‘‘ کی مناسبت سے یہاں شجرۂ طوبیٰ کا ذکر کیا گیا ہے حضرت نانوتوی پھر کہتے ہیں کہ موسم بہار کی شدت طراوت اس درجہ کی ہے کہ بارود کا ذرہ ذرہ جو ایک چنگاری ہوتا ہے وہ پھول بن گیا ہے، بارود ایک آتش کدہ اور آگ کا خزانہ ہے اور موسم بہار کے صدقے میں گل و گلزار ہوگیا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ پر آگ گلزار بن گئی تھی

یہ فیض عام ہے سر پر ہرن کی شاخیں ہیں   بدن میں شیر کے گل، اور دم میں سیہہ کے خار
بجھانی ہے دل آتش کی بھی تپش، یارب   کرم میں آپ کو دشمن سے بھی نہیں انکار
بساط سبزہ، مشجر بنا ہے صحن چمن   پڑا جو سطح پہ سبزہ کے سایۂ اشجار

بارہ سنگھا کے ہرن کے سر پر شاخ در شاخ سینگیں ہوں یا شیر کے بدن پر بالوں کے گچھے جو پھول کی شکل اختیار کر گئے ہیں یا ساہی کے بدن پر جو لمبے لمبے کانٹے ہیں وہ سب اسی بہار کا صدقہ ہے، اور شدت طراوت کا یہ عالم ہے کہ آگ کے سینے میں جو تپش اور جلن ہے وہ بھی بجھ گئی ہے حالانکہ آگ اور پانی میں ازلی بیر ہے اور ایک

دوسرے کے دشمن ہیں لیکن پانی کی شرافت اور فیاضی کا یہ عالم ہے کہ اپنے دشمنوں سے بھی سلوک کرنے سے اس کا انکار نہیں ہوتا اس نے آگ کے دل میں جو تپش تھی اس کو ختم کر کے آگ کو راحت پہنچائی آخری شعر میں جو خیال پیش کیا گیا ہے اس پر شاعر کی قوت مشاہدہ داد و تحسین کی مستحق ہے کتنا خوبصورت اور محسوس منظر پیش کیا ہے، کہتے ہیں کہ صحن چمن میں سبزہ کا ہرا ہرا فرش بچھا ہوا تھا وہ شطرنجی یعنی پھول دار فرش بن گیا ہے کیونکہ درختوں کے سائے جب سبزے کے ہرے ہرے فرش پر آتے ہیں تو دھوپ چھاؤں کی وجہ سے یہ سبز فرش، معلوم ہوتا ہے کہ صحن چمن مین شرنجی بچھا دی گئی ہے، اور بہت پر تکلف فرش کا اہتمام نظر آتا ہے، حضرت نانوتوی کہتے ہیں۔

هوا کو غنچۂ دل بستہ کی ہے دل جوئی — ادھر ہے آب تلک شاخ و برگ سب پہ نثار
کرے ہے سبزۂ نو خاستہ پہ گل سایہ — اوڑھاتی آب رواں کی ہیں چادریں انہار
یہ قدر خاک ہے، ہیں باغ باغ وہ عاشق — کبھی رہے تھا سدا جن کے دل کے بیچ غبار

فطرت نے چمن کی آرائش میں ہوا اور پانی سب کو لگا رکھا ہے تا کہ کوئی آزردہ خاطر نہ رہے غنچہ یا کلی جب تک پھول نہ بنے اس کی پتیاں سمٹی رہتی ہیں اس کو ’’دل بستہ‘‘ بجھے ہوئے دل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور چمن میں کوئی آزردہ خاطر نہ رہے اس لئے ہوا غنچۂ دل بستہ کی خوشامدیں کر رہی ہے اس کو جھولا جھلا رہی ہے تا کہ اس کے ہونٹوں پر ہنسی کھیلنے لگے، پانی کی پھواریں تمام درختوں، پودوں اور پھول پتیوں کو نہلا رہی ہیں، پانی ان پر نچھاور اور قربان ہو کر ان کی شادابی میں اضافہ کر رہا ہے، چمن میں جو سبزے نئے نئے اگ رہے ہیں اس کو نو مولود بچے کی حیثیت میں رکھا گیا ہے جس طرح مائیں بچوں کو دھوپ کی تپش سے بچاتی ہیں، ٹھنڈے سائے میں رکھتی ہیں اور ان کے اوپر کوئی باریک کپڑا اُڑھا دیتی ہیں اسی طرح یہ مولود سبزے اور پودے ہیں ان کی راحت کے لئے پھولوں نے ان پر سایہ کر رکھا ہے کہ دھوپ کی تمازت سے مرجھا نہ جائیں نہروں نے آبِ رواں بھیج کر ان کو پانی کی چادر اوڑھا دی ہے، آبِ رواں اپنے لغوی معنی میں بھی ہے اور آب رواں ململ اور تن زیب کی طرح باریک کپڑا

ہوتا ہے گرمیوں میں اس کے کرتے اور انگرکھے پہنے جاتے ہیں، یہ مفہوم بھی یہاں مراد ہے یعنی نہروں نے بہت باریک کپڑے نو مولود سبزوں کو اوڑھا دئے ہیں آگے شعر میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ سارے پودے زمین سے اگتے ہیں باغوں میں درختوں کی جڑیں اسی زمین ہی میں پیوست ہوتی ہیں جب باغ زمین کا مرہونِ منت ہے تو عاشقوں کا دل ’’باغ باغ‘‘ اور خوش کیوں نہ ہو جائے، رقیبوں کی طرف سے جو دل میں غبار ہے وہ غبار زمین کا ہی حصہ ہے اس لئے اس میں باغ پیدا ہو گیا تو غبار اس باغ کے درختوں کی جڑوں کی خوراک بن گیا تو عاشق کے دل میں اغیار کی طرف سے جو غبار تھا ختم ہو گیا اور دل صاف ہو گیا، حضرت نانوتوی پھر کہتے ہیں۔

نہ ہووے رشک سے لالہ کے دل پہ کب تک داغ — کہ گل ہے سوختہ جاں، تھی جو شمع آتش بار
نہ ہووے دنگ کوئی کب تلک کہ لالہ و گل — نکالیں سبز شجر سبزہ سرخ گل سے عذار
جلائے گر کہیں ہم شکل شاخ شمع کو بھی — دھوئیں بکھیر دے آتش کے دم میں باد بہار
یہ ربط ہے گل و بو میں، اگر جدا ہو بو — تو جان کھونے کو ہو اپنی، گل وہیں تیار

لالہ کا رنگ خوب سرخ ہوتا ہے اور پنکھڑیوں میں کہیں کہیں سیاہ داغ ہوتے ہیں اس کو لالہ کے دل کا داغ کہا گیا یہ داغ پھول اور شمع سے رشک کی وجہ سے پڑے کہ وہ سب دل جلے ہیں مرے دل میں عشق و محبت کی وہ آگ نہیں اس لئے مارے رشک کے اس کے دل میں داغ پڑ گئے پھر کہتے ہیں کہ چمن میں سرسبز و شاداب درختوں کو دیکھا جاتا ہے کہ سب کا رنگ ہرا اور سبز ہے لیکن ان سے جو پھول نکلتے ہیں وہ معشوق کے رخساروں کی طرح سرخ ہیں حیرت ہوتی ہے کہ آخر سبز درختوں کی شاخوں میں یہ سرخ پھول کیسے پیدا ہو گئے، جوش بہار کا عالم یہ ہے کہ شمع جو ایک شاخ کے مانند ہوتی ہے اس کو جلا دیا جائے تو باد بہاری شمع کو شاخ سمجھ کر آگ کی حلق میں دھواں بھر کر اس کا وجود مٹا دے، پھول اور خوشبو دونوں کے عشق و محبت کا یہ عالم ہے کہ اگر پھول سے خوشبو جدا ہو کر کہیں چلی جائے تو پھول خوشبو کی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا وہیں دم توڑ دیگا کیوں کہ اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہنا چاہتا، یہ بالکل مشاہدہ کی بات ہے۔

لگائے منھ بھی نہ گلدم، خدا کی قدرت ہے — اوراس کی دم سے لگا یوں پھرے گل بے خار
چنور سنہری بنائے ہیں ہر شجر کے لئے — شعاع کی مہ وخور میں لگا کے چرخ نے تار
سمجھ کے غنچۂ لالہ کرے ہے گل ورنہ — نسیم تیز کو کچھ شمع سے نہیں پیکار
بہ شکل شاخ بنا کرکے شمع کچھ مانگے — تو منصب شجر طور ہی دلائے بہار
یہ سبزہ زار کا رتبہ ہے شجرۂ موسیٰ — بنا ہے خاص تجلی کا مطلع انوار
اسی لئے چمنستان میں رنگ مہندی نے — کیا ظہور ورق ہائے سبز میں ناچار

گلدم ولائتی بلبل کو کہتے ہیں جس کا رنگ سیاہ اور سر پر چوٹی ہوتی ہے اوراس کی دم کے نیچے کے پر سرخ ہوتے ہیں اس کو پھول کہتے ہیں، وہ پھولوں کی عاشق کہی جاتی ہے، حضرت نانوتوی کہتے ہیں کے اب کہ موسم بہار میں پھولوں کی اتنی کثرت ہے کہ بلبل پھولوں کو منھ تک نہیں لگاتی، الٹے پھول ہی اس کے دم کے پیچھے لگا ہوا ہے جب انسان کے پاس دولت کا انبار ہو جاتا ہے تو اس میں ایک طرح سے بے اعتنائی آجاتی ہے۔ ''چنور'' دیہاتی لفظ ''چنری'' دلہنوں کا لباس ہوتا ہے جس میں سلمہ ستارہ اور چمک دار تار ٹانکے جاتے ہیں، تمام درختوں اور پودوں کو دلہن کا لباس تیار کرنے کے لئے آسمان کو ذمہ داری دی گئی ہے وہ چاند سورج کی کرنوں میں تار ڈال کر، سنہری چنری بنا کر چمن کے سارے درختوں اور پودوں کو دلہن کی طرح سجا رہا ہے۔

جوش بہار کا یہ عالم ہے کہ اگر شمع جل رہی ہے اور بادنسیم کا ادھر سے گذر ہو جاتا ہے تو شمع اس لئے بجھ جاتی ہے، کیونکہ بادنسیم کو شمع سے کوئی عداوت نہیں ہے وہ کیوں بجھائے گی مگر غلط فہمی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔

موسم بہار کی فیاضی اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ اگر شمع کہہ دے کہ میں درخت کی شاخ ہوں مجھ کو بھی فیضان بہار سے حصہ ملنا چاہئے تو شجر طور جس زمین پر ہے وہ زمین سفارش کریگی کہ جب اس بہار کا فیض سب کو پہنچ رہا ہے زمین کا ہر پودہ اس سے فیضیاب ہو رہا ہے تو شمع جو خود کو شاخ کہہ رہی ہے تو اس کو پھول پتیوں کی سوغات ملنی چاہئے تو شمع میں بھی پھول پتیاں پیدا ہو جائینگی،

حضرت نانوتوی کہتے ہیں کہ کائنات میں سب سے بڑا رتبہ تو سبزہ زار کا ہے کیونکہ شجرۂ طور بھی اسی میں سے ہے اس پر تجلی ربانی ہوئی جبکہ کائنات کی کسی اور چیز پر تجلی نہیں ظاہر ہوئی مہندی کی پتیاں جب پیس کر نرم و نازک ہتھیلیوں پر لگائی جاتی ہیں تو ان کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے جب کہ پتیوں کا رنگ سبز ہوتا ہے، چونکہ پتیوں کا ہرا رنگ ہی تجلی گاہ ربانی ہے اس لئے مہندی کے رنگ نے ہری ہری پتیوں میں حلول کر کے ظہور کیا سبز پتیوں کا احترام کیا اور ان کا رنگ نہیں بدلا، حضرت نانوتوی پھر فرماتے ہیں۔

ہنود کو ہے گماں دیکھ کر یہ اعجوبے — کہ اب کے لیں ہیں جنم زار میں اوتار

یعنی یہ قوم تو ہر حیرت ناک چیز کو دیکھ کر اس کی پرستش کرنے لگتی ہے، اس سال موسم بہار نے وہ حیرت ناک جلوے دکھائے ہیں کہ یہ قوم پرست قوم کہے گی کہ اب کے اوتار نے سبزہ زاروں میں جنم لیا ہے اور پھر اس کی پرستش کرنے لگے گی۔

نزاکت چمنستان بیان کیا کیجئے — کہ صنع حق کے تئیں دیکھ عقل ہے بیکار
نہ شاخ گل کے تئیں تاب بار شبنم ہے — نہ کوئی لمحہ ہے شبنم کو دھوپ ہی کی سہار
ہوا کی ایک ٹھسک سے ہے چور چور حباب — رگڑ سے آب کی، ڈھانگیں ہیں آبجو کی فگار
پڑے پھپھولے حبابوں کی نرمی تن سے — بندھا جو بوندوں کی کثرت سے تن پہ ان کے تار
گرا دیا ہے تلے، گل نے بار سایہ کو۔ — کہ رنگ وبو کا اٹھانا بھی تھا اسے دشوار
نہ ہو کہاں تئیں آب رواں کا پتلا حال — خراش سبزہ بہ پا، سر پہ سایۂ گل بار
پچھاڑ کھا کے گرے ہے چمن میں چادر آب — ہوا ہے کثرت لغزش سے آب بھی ناچار
کمر پہ بار گراں بوئے گل، تلے پھسلن — نہ لڑکھڑائے کہاں تک ہوا دم رفتار
جو گر پڑے تو اٹھا جا نہ سایہ گل سے — نہ تھم سکے جو پھسل جائے موجۂ جوئبار

جب آدمی ناز و نعمت میں پلا ہوا ہوتا ہے تو معمولی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا، چھوٹی چھوٹی مصیبتیں اس کے لئے پہاڑ بن جاتی ہیں، بہار نے چمن کو بڑے ناز ونعم سے پالا ہے اس لئے اس کی ہر چیز میں نزاکت آگئی ہے اس نزاکت کی کیا کیفیت ہے حضرت نانوتوی نے محسوس اور مشاہداتی مناظر دکھائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پھول تو پھول اس کی

شاخیں اور پتیاں اتنی نرم ونازک ہیں کہ وہ شبنم کے قطروں کا بار بھی اپنے اوپر برداشت نہیں کرسکتیں اور خود شبنم جو اسی چمن کے ہم نشینوں میں شامل ہے اتنی نازک اندام ہے کہ سورج کی معمولی حرارت بھی اس کے تن نازک کا وجود مٹا دیتی ہے چمن کی نہروں میں جو حبابوں کے تاج محل کھڑے ہیں ان کو ہوا کی ذرا سی بھی ٹھیس لگی تو وہ چور چور ہوجاتے ہیں، نہروں میں پانی چلتا ہے تو نہر کے کناروں سے رگڑ کھا کر اس کے پاؤں زخمی ہوجاتے ہیں، نہر کے حبابوں کا بدن اتنا نازک ہے کہ بارش کی بوندوں کا تار بھی ان کے بدن کو چھو جاتا ہے تو ان کے بدن میں چھالے پڑ جاتے ہیں، پھولوں کا عالم یہ ہے کہ ان پر رنگ و بو کا اتنا بڑا بوجھ ہے کہ اسی کو اٹھانا ان کے لئے دشوار ہے اس پر شاخوں کے سائے کا مزید باران کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا، تو سر سے سایہ کے بوجھ کو اتار کر زمین پر ڈال دیا ہے، ظاہر ہے کہ سایہ زمین پر ہی پڑتا ہے مگر اس کی یہ تعبیر کتنی خوبصورت اور رومان انگیز ہے۔

چمن کی نہروں میں جو پانی رواں دواں ہے اس کا بھی حال بہت پتلا ہے یعنی بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہے کیوں کہ جب وہ چلتا ہے تو سبزے اس کے پاؤں تلے آتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے پاؤں میں خراش آجاتی ہے اور قدم زخمی ہوجاتے ہیں پھر اس پر پھولوں کے سایہ کا بوجھ خود بارِ گراں، پاؤں زخمی اور اتنے بڑے بوجھ کو لیکر چلنا بہت دقت طلب کام ہے اس لئے اس کا حال بہت پتلا ہوگیا۔

پانی آسمان سے اترتا ہے تو ہوا کے تھپیڑے کھا کر زمین پر گرتا ہے تو ایک دھکا سا ہوتا ہے پانی بھی چمن میں پھسل کر بے تحاشا گرتا ہے کیوں کہ بار بار اس کو ٹھوکر لگتی ہے اور پاؤں میں لغزش ہوتی ہے اس لئے برسات کی پھسلن میں جیسے آدمی بے تحاشا گرتا ہے اسی طرح پانی چمن میں بار بار گرجاتا ہے، چمن میں ہوا بھی لڑکھڑاتی ہوئی چلتی ہے ایک تو اپنی کمر پر خوشبو کا بھاری بوجھ لاد رکھا ہے دوسرے زمین پر بارش کی وجہ سے پھسلن ہوگئی ہے بھاری بوجھ کی وجہ سے ہر ہر قدم پر پھسل جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب گری اور تب گری، خوشبو کے بوجھ کا تصور بڑا شاعرانہ تصور ہے، آگے کہتے

ہیں کہ پھولوں کا سایہ اگر زمین پر گر پڑے تو پھولوں کے لئے سائے کا اٹھانا بھی دشوار ہوجاتا ہے نہر میں چلنے والے پانی کی موج کو اگر ٹھوکر لگ گئی تو پھر اس کا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا وہ پھسلتی ہوئی دور تک چلی جائے گی۔حضرت نانوتویؒ کہتے ہیں۔

کہاں زمین، کہاں یاسمین ولالۂ وورد — فلک بھی گرد ہوا دیکھ کر چمن کی بہار
زمیں سے چرخ ہے ہرطرح اب کے شرمندہ — زمیں میں گڑ جا اگر چرخ کی بسے کچھ چار
دکھائے چرخ اگر اپنے چاند سورج کو — مقابلہ پہ ہر اک حوض باغ ہو تیار
کئے ہیں آپ زمیں نے جواب بارش میں — بجائے بوندوں کے فوارے اس طرف تیار

اب کی بار موسم نے زمین کو انتہائی حسین اور خوب صورت بنا دیا ہے ہر طرف چنبیلی گلاب اور گل لالہ اپنی بہار دکھا رہے ہیں جن کو دیکھ کر آسمان شرمندہ ہے زمین کی آرائش وزیبائش کے مقابلہ میں میری آرائش وزیبائش گرد ہوگئی ہے، مارے شرم کے وہ زمین میں گڑا جا رہا ہے اگر رفع خجالت کے لئے آسمان اپنے چاند سورج دکھائے کہ ہمارے پاس نور کا خزانہ ہے تو زمین بھی مقابلہ پر آجائیگی اور چمن کے حوض کو اس کے مقابلہ میں پیش کردے گی جن میں پانی سیال چاندی کی طرح ہلوریں لے رہا ہے جس سے چاند سورج خود شرمندہ ہوجائیں، آسمان اگر بارش برسا کر اپنی برتری کا مظاہرہ کر سکتا ہے تو زمین اپنے فوارے اس کے جواب میں پیش کردے گی تم ننھی ننھی بوندیں برسا کر مغرور ہو اس کے مقابلہ میں یہ فوارے پورے جوش وخروش سے برستے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ نے زمین وآسمان کے تقابل میں زمین کی برتری دکھائی ہے زمین کو یہ برتری اسی موسم میں ملی ہے، یہاں ماضی کا کوئی ذکر نہیں، زمین وآسمان کے اسی تقابل سے گریز کے اشعار شروع ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد مدحیہ اشعار کا آغاز ہوتا ہے، حضرت نانوتویؒ نے آگے کے یہ دو شعر کتنے معنی خیز کہے ہیں، ملاحظہ ہو۔

پہنچ سکے شجر طور کو کہیں طوبیٰ — مقام یار کو کب پہنچے مسکنِ اغیار
زمین وچرخ میں کیوں ہو نہ فرق چرخ وزمیں — یہ سب کا بار اٹھائے وہ سب کے سر پہ سوار

زمین کی فضیلت وبرتری کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ شجر طور زمین پر شجر طوبیٰ

آسمان پر مگر زمین کا یہ درخت آسمان کے درخت سے کہیں زیادہ باعظمت اور بلند رتبہ ہے کیوں کہ شجر طور پر تجلی ربانی ہوئی اور وہ محبوب حقیقی کی جلوہ گاہ ہے اور طوبیٰ کو یہ شرف حاصل نہیں، اس پر فرشتے رہتے ہیں ان کی حیثیت رقیب اور اغیار کی ہے، رقیب اور غیر کا گھر محبوب کے گھر سے افضل کیسے ہوسکتا ہے اسی لئے شجر طور کو شجر طوبیٰ پر فضیلت حاصل ہے آخر میں ایک مشاہداتی دلیل پیش کرتے ہیں کہ زمین آسمان میں تو زمین آسمان کا فرق ہے، یعنی بہت بڑا فرق ہے کیوں کہ زمین سب کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور آسمان سب کے سر کا بوجھ بنا ہوا ہے کیوں کہ اوپر ہے سب کے سر پر چھایا ہوا ہے۔

حضرت نانوتویؒ اب تک کائنات کی چمن بندی کرتے رہے اس کے بعد مدح کے اشعار آئینگے قصیدہ عربی زبان سے فارسی کے راستہ سے اردو میں آیا ہے اس لئے اس صنف سخن میں عربی شاعری کا انداز بیان پایا جاتا ہے، عربی زبان کے شعراء قصیدہ کے آغاز میں عشق ومحبت کے اشعار کہتے تھے اور پورا زور قلم صرف کرتے تھے اسی کو تشبیب کہتے ہیں، فارسی زبان میں جب قصیدہ آیا تو عشق ومحبت کے بجائے مناظر فطرت کی تصویر کشی، بہار اور موسم گل کی دل فریبیوں اور رعنائیوں کا ذکر تشبیب کی جگہ کہنے لگے، اردو قصیدہ نگاری میں بھی یہی طریقہ رہا، محسن کاکوروی کے قصیدہ نعتیہ میں یہی مناظر فطرت کی عکاسی ہے، حضرت نانوتویؒ نے فارسی شعراء سے متاثر ہو کر بہاریہ لکھنے کو ترجیح دی، تشبیب درحقیقت قصیدہ کی تمہید ہوتی ہے اور جب اصل مدح شروع ہوتی ہے اس سے پہلے گریز کا ایک یا دو شعر لکھ کر تشبیب اور مدح میں مکمل ربط پیدا کردیتے ہیں گریز کا شعر تشبیب اور مدح کا نقطہ اتصال ہوتا ہے، حضرت نانوتویؒ نے بھی گریز کے شعروں میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت نانوتوی کا کمال فن ''بہاریہ'' مین پوری طرح عروج پر ہے جو ایک قادرالکلام شاعر ہونے کی سند ہے قوت تخئیل انتہائی بلند پرواز، قوت مشاہدہ بہت ژرف بیں اور دقیقہ رس ضرب الامثال اردو زبان کے خوبصورت محاورے بہ کثرت

استعمال کئے ہیں، صنعت تجنیس کی رعایت نے اشعار کو حسین وجمیل بنانے میں اہم کردار انجام دیا ہے، جوش بہار کے خوبصورت مناظر کی عکاسی ہی کے سلسلہ میں زمین وآسمان کا تقابل کیا گیا اور زمین کی آسمان پر برتری دکھائی گئی اس کے بعد نعت کا آغاز ہوجاتا ہے۔

کرے ہے ذرۂ کوئے محمدی سے خجل　　فلک کے شمس وقمر کو زمیں کے لیل ونہار

وہی زمین وآسمان کا تقابل، اگر آسمان کے چاند سورج اپنی روشنی اور آب وتاب پر فخر کرتے ہیں تو زمین سرکار دوعالم ﷺ کی گلی کوچوں اور گذرگاہوں کی خاک کے ذرے کو فضا میں اچھال دیتی ہے کہ ان خاک کے ذروں کی آب وتاب اور چمک دمک کو تمہاری آب وتاب کہاں پہنچ سکتی ہے، چاند سورج کو سوائے ندامت کے کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا۔

فلک پہ عیسیؑ وادریسؑ ہیں تو خیر سہی　　زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد مختارؐ
فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانی احمدؐ　　زمیں پہ کچھ نہ ہو، پر ہے محمدی سرکار

کئی پیغمبروں کا آسمان پر ہونا فلک کے لئے باعث افتخار ضرور ہے لیکن افضل الانبیاء والمرسلین ﷺ کا زمین پر ہونا ہی اس کی افضلیت وبرتری کے لئے کافی ہے۔

نثار کیا کروں، مفلس ہوں، نام پر اس کے　　فلک سے عقد ثریالوں، دے اگر وہ ادھار
ثنا کر اس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ　　کہاں کا سبزہ، کہاں کا چمن، کہاں کی بہار
ثنا کر اس کی، اگر حق سے کچھ لیا چاہے　　تو اس سے کہہ، اگر اللہ سے ہے کچھ درکار
الٰہی! کس سے بیاں ہو سکے ثنا اسکی　　کہ جس پہ ایسا تیری ذات خاص کا ہے پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو　　نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
کہاں وہ رتبہ؟ کہاں عقل نارسا اپنی　　کہاں وہ نور خدا، اور کہاں یہ دیدۂ زار
چراغ عقل ہے گل، اس کے نور کے آگے　　زباں کا منہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار
جہاں کہ جلتے ہوں پر عقل کل کے بھی پھر کیا　　لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں میرے افکار
مگر کرے مری روح القدس مددگاری　　تو اس کی مدح مین میں بھی کروں رقم اشعار

جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میری　　تو آگے بڑھ کے کہوں، اے جہان کے سردار

حضرت نانوتوی نے ان اشعار میں حضور ﷺ کے رتبہ بلند اور شان رفیع کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جس کے وجود کے صدقہ میں ساری کائنات نے خلعت وجود پایا، جس خالق کائنات کے حضور میں کائنات کی ہر چیز سربہ سجود ہے وہی ذات عالی جس ذات مقدس کو اپنا محبوب بنالے تو اس عظیم المرتبت شخصیت کی مدح وثنا میں زبان کا منہ ہے کہ گفتگو کرے جب کہ

ہزار بار بشویم دہاں زمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

ہاں اگر جبرئیل مدد کریں تو میں زباں کھولوں، رسول اللہ ﷺ نے مداح رسول حسانؓ بن ثابت کے لئے دعا فرمائی تھی أَللّٰھُمَّ أَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسْ اے اللہ جبرئیل کے ذریعہ ان کی مدد فرما، پھر آگے حضرت نانوتوی خالص نعت کے اشعار کہتے ہیں۔

تو فخر کون ومکاں زبدۂ زمین وزماں　　امیر لشکر پیغمبراں، شہ ابرار
خدا ترا، تو خدا کا حبیب اور محبوب　　خدا ہے آپکا عاشق تم اس کے عاشق زار
تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی　　تو نور شمس گر اور انبیاء ہیں شمس نہار
حیات جان ہے تو، ہیں اگر وہ جان جہاں　　تو نور دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار
طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی　　بجا ہے کہئے اگر تم کو مبدء الآثار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تابہ وجود　　قیامت آپ کی تھی دیکھئے تو اک رفتار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں　　ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو تیرے ایک بندہ ہونے میں　　جو ہو سکے تو خدائی کا اک ترے انکار

مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں ان میں فرق ہے، ہماری طرح وہ کھاتے پیتے ہیں بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں جیسے ہم ویسے وہ بھی ہیں یعنی حضور ﷺ کو اللہ کا بندہ کہتے اور آپ کے رسول ہونے سے انکار کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جہنم رسید ہوئے رسالت سے انکار اور صرف بندہ کہنے پر گرفت ہوئی، حضور سے اگر کسی کمال کی

نفی کی جا سکتی ہے تو وہ صرف یہ کہ آپ خدا نہیں ہیں بقیہ سارے کمالات آپ کی ذات میں موجود ہیں۔

بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال　　بغیر بندگی کیا ہے، لگے جو تجھ کو عار
جو دیکھیں اتنے کمالوں پہ تیری یکتائی　　رہے کسی کو نہ وحدت وجود کا انکار

صوفیا کا ایک طبقہ وحدت الوجود کا قائل ہے، وجود کا اطلاق صرف ایک ذات واجب الوجود پر کیا جا سکتا ہے باقی ساری کائنات اسی وجود کا پرتو اور اس کے مظاہر ہیں کائنات کے ذرہ ذرہ میں اسی کی جلوہ گری ہے بذات خود کائنات کا اپنا کوئی حقیقی وجود نہیں، صوفیا کا ایک طبقہ اس کا انکار کرتا ہے حضرت نانوتوی کہتے ہیں کہ اس نظریہ کا انکار کرنے والے سرکار دو عالم ﷺ کے کمالات میں یکتائی و بے مثالی کو دیکھ لیں کہ آپ کے کمالات کے سامنے کسی کمال کی کوئی حقیقت نہیں، دنیا کے سارے کمالات آپ کے کمالات کے سامنے گرد ہیں کائنات میں صرف آپ کا کمال ہی حقیقی کمال ہے جب آپ کی یکتائی اور بے مثالی اس درجہ کی ہے تو خالق کائنات کے بارے میں وحدت الوجود کے نظریے کی وہ خود تائید کرنے لگیں گے، آگے کہتے ہیں۔

یہ اجتماع کمالات کا تجھے اعجاز　　دیا تھا تا نہ کریں انبیاء کہیں تکرار
تو آئینہ ہے کمالات کبریائی کا　　وہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوۂ دیدار
پہنچ سکا ترے رتبہ تلک نہ کوئی نبی　　ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے　　کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی! اقرار
لگا تا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا　　اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخرکار
خدا کے طالب دیدار حضرت موسیٰ　　تمہارا لیجئے، خدا آپ طالب دیدار
کہاں بلندئ طور اور کہاں تری معراج　　کہیں ہوئے ہیں زمیں آسمان بھی ہموار
جمال کو تیری کب پہنچے حسن یوسف کا　　وہ دلربائے زلیخا، تو شاہد ستار
اگر قمر میں کچھ آجائے تیرے چہرہ کا نور　　تو رات دن ہو، اور آگے ہو اس کے دن شب تار

یہاں شاعرانہ تخیل پورے عروج پر ہے اور طائر فکر کی پرواز انتہائی بلند نظر آتی

ہے کہتے ہیں کہ اگر رات میں چوہویں رات کا چاند نکلا ہوا ور آپ کے چہرے کا نور، آب وتاب اور اس کی روشنی پا جائے تو چاند کی روشنی کا یہ عالم ہوگا کہ رات دن سے اتنی زیادہ روشن اور تاب ناک ہو جائے گی کہ جب صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی روشنی اس چاند کی روشنی کے مقابلہ میں جس مین حضور کے چہرۂ زیبا کا نور شامل ہو گیا ہے اتنی کمزور اور مدھم معلوم ہوگی کہ لوگ کہیں کے کہ دن نہیں بلکہ تاریک ترین رات ہے، اب چاند طلوع ہوگا تو دن ہوگا اور سورج نکلے گا تو رات ہوگی وہ بھی تاریک ترین رات، اس کے بعد حضرت نانوتوی نے استعارات کنایات تشبیہات وتمثیلات کا مینا بازار لگا دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

جمال ہے تیرا معنی حسن ظاہر میں — کیا ہے معجزہ سے تو نے آپ کو اظہار
رہا جمال کے تیرے حجاب بشریت — نجانا کون ہے، کچھ بھی، کسی نے جز ستار
سوا خدا کے، بھلا تجھے کوئی کیا جانے — تو شمس نور ہے، شپر نمط اولوالابصار
سما سکے تیری خلوت میں کب نبی وملک — خدا غیور، تو اس کا حبیب اور اغیار
جو آئینہ میں پڑے عکس خالی کا تیرے — تو اشک مہر کا ہو جائے مطلع الانوار
تمہارا خالِ قدم دیکھ رشک سے مہ کے — جگر پہ داغ ہو، سورج کو ہے عذاب انصار
نہ بن پڑا وہ جمال آپ کا سارک شب بھی — کمر میں گو کی کروڑ دل کئے چڑھاءِ اتار
اگر پڑے تیرے تلوے میں عکس سورج کا — تو آگے نور قدم کے ہو تیرے خالی شمار
سفید دیدۂ بے نور سا ہے دیدۂ نور — بصیرہ ہونے کو تلوے کا تل ہے تیرے بکار
بنا شعاعوں کی جاروب تیرے کوچہ سے مہر — کرے ہیں دور اندھیرے کا روز گرد وغبار

کتنا خوبصورت شعر ہے، قوت مشاہدہ کی یہ معراج ہے کہ وہ دیکھتی ہے کہ سورج روز جب طلوع ہوتا ہے تو اس کی لمبی لمبی کرنیں جھاڑو کے تنکے کی طرح معلوم ہوتی ہیں، اس سے خیال پیدا ہوا کہ شاید سرکار دو عالم ﷺ کی بابرکت مقدس گلیوں کوچوں اور گذر گاہوں کی صفائی کے لئے سورج نے شعاعوں کا جھاڑو بنایا ہے اور اس سے اندھیرے کے گرد وغبار کو صاف کر رہا ہے، مقام کی عظمت واہمیت کے پیش نظر اسی

کے شایان شان ہر چیز استعمال ہوتی ہے اسلئے مدینہ کی گلیوں کی صفائی کے لئے تنکوں کا نہیں شعاعوں کا ہی جھاڑو زیادہ مناسب اور اسکی شایان شان ہے، پھر کہتے ہیں:

اگر ترے رخ سے گل کو دوں تشبیہ — شعاع مہر کو ہو آرزوے منصب خار
مربی مہ خور ذرّے ذرّے کوچے کے — معلم الملکوت آپ کا سگِ دربار
خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے — تو جس قدر ہے بھلا، میں برا اسی مقدار
نہ پہنچیں گنتی میں ہرگز ترے کمالوں کی — میرے بھی عیب شہ دوسرا، شہ ابرار
قبول جرم سے امت کے تیری کھا دھوکا — عجب نہیں ہے جو شیطان بھی نیکوکار
جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش — تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار
عجب نہیں، تری خاطر سے تری امت کے — گناہ ہوویں قیامت کو طاعتوں میں شمار
بکیں گے آپ کی امت کے جرم ایسے گراں — کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار
کفیل جرم اگر آپ کی شفاعت ہو — تو قاسمی بھی طریقہ ہو، صوفیوں میں شمار
ترے بھروسے پہ رکھتا ہے غزّۂ طاعت — گناہِ قاسم برگشتہ بخت، بداطوار
گناہ کیا ہے، اگر کچھ گنہ کئے میں نے — تجھے شفیع کہے کون؟ گر نہ ہو بدکار
تمہارے حرف شفاعت پہ عفو ہے عاشق — اگر گناہ کو ہے خوف غصۂ قہار
یہ سن کے، آپ شفیع گناہ گاراں ہیں — کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار
ترے لحاظ سے اتنی تو ہو گئی تخفیف — بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار
دعا تری مرے مطلب کی ہوا گر حامی — تو بخت بد کو ملے حق کے گھر سے بھی پھٹکار
یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ — قضاء مبرم ومشروط کی سنیں نہ پکار
خدا ترا، تو جہاں کا ہے واجب الطاعۃ — جہاں کو تجھ سے، تجھے اپنے حق سے ہے سروکار
قضا کو تیری یہ خاطر، مگر تجھے وہ ہے — قضاء حق سے نیاز اور نیاز کا اقرار
اگر جواب دیا بیکسوں کو تو نے بھی — تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کروڑوں جرموں کے آگے یہ نام کا اسلام — کریگا یا نبی اللہ! کیا مرے پہ پکار
دکھائے، دیکھئے کیا اپنا طالع بدبیں — نگاہ لطف تری ہو نہ گر مری غم خوار

براہوں، بدہوں، گنہگارہوں پر تیرا ہوں　　　ترا کہیں ہیں مجھے، گوکہ ہوں میں ناہنجار

لگے ہے سگ کوترے، میرے نام سے گوعیب　　　پر تیرے نام کا لگنا مجھے ہے عزو وقار

تو بہترین خلائق، میں بدترین جہاں　　　تو سرورِ دو جہاں، میں کمینہ خدمت گار

اس کے بعد آٹھ دس شعروں میں حضرت نانوتوی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے میرے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ قصیدہ حضرت نانوتوی نے اس دور میں لکھا ہے جب ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد آپ کے خلاف وارنٹ گرفتاری تھا اور آپ روپوشی کی زندگی گذار رہے تھے، انگریزوں نے ہر طرف مخبروں کا جال پھیلا رکھا تھا، آپ کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھیا اور آپ پولیس سے بچنے کی کوشش کررہے تھے کیوں کہ گرفتاری کا مطلب پھانسی یا کالے پانی کی سزا تھی اس سے ہلکی سزا کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا روپوشی کا یہ دور ایک سال سے کم نہیں تھا سارا کاروبارِ زندگی معطل تھا، عزیز واقارب سے رشتہ کٹا ہوا تھا سخت ذہنی اذیت میں آپ گرفتار رتھے انہی حالات میں یہ قصیدہ لکھا گیا، ممکن ہے مرا خیال صحیح نہ ہو، کیوں کہ حضرت نانوتوی کے اس قصیدہ کے اشعار میں تہ درتہ معنویت ہے، اور درج ذیل اشعار سے ان کی منشا اور رہی ہو بہر حال اشعار حاضر ہیں:

بہت دنوں سے تمنا ہے کیجئے عرض حال　　　اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک یار

وہ آرزوئیں جو ہیں مدتوں سے دل میں بھری　　　کہوں میں کھول کے دل اور نکالوں دل کا غبار

مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا　　　وہاں ہو قاسم بے بال و پر کا کیونکہ گذار

نہ جبرئیل کے پر ہیں، نہ ہے براق کوئی　　　جو اڑ کے در تئیں پہنچوں تمہارے یا ہو سوار

کشش پہ تری لئے اپنا بار بیٹھے ہیں　　　تکے ہے تیری طرف کو، یہ اپنا دیدۂ زار

یہ میری جان نکمی سے تھی سو اس کے بھی　　　پڑے ہیں چرخ وزماں پیچھے، باندھ کر ہتھیار

مدد کر، اے کرم احمدی کہ تیرے سوا　　　نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامیٔ کار

دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی　　　کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا　　　بنے گا کون ہمارا، ترے سوا غم خوار

کیا ہے سگ نمط ابلیس نے میرا پیچھا　　　ہوا ہے نفس، موا سانپ سا گلے کا ہار

پھر اس کے بعد اپنی بیکسی اور اپنے درد وکرب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی دلی تمناؤں اور جذبات کا اظہار کیا ہے چونکہ وہ تصوف وسلوک کی راہ کے راہی تھے ان کا رہوار فکر اسی جانب مڑ گیا ہے پھر دیر تک چلتا رہا عشق نبوی ﷺ کا سوز، دیارِ مدینہ پہنچنے کی تڑپ اور اس مقدس سرزمین میں اپنے وجود کے تحلیل ہو جانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں یہ ساری باتیں اندرونی کرب کی وجہ بہت ہی موثر الفاظ میں کہی ہیں، اشعار دیکھئے:

وہ عقل بے خرد اپنی، یہ زور حرص وہوا　　　اسے سجھاؤں میں یا انسے آکے ہوں دوچار

دکھائے ہے مرے دل کو لبھانے کو ہر دم　　　ہزار طرح کے دنیائے کہنہ سال سنگار

ادھر ہجوم تمنا، ادھر نصیبوں سے　　　کرے ہے، بخت زبوں، ہر امید سے انکار

رجاء وخوف کی موجوں میں ہے امید کی ناؤ　　　جو تو ہی ہاتھ لگائے تو ہووے بیڑا پار

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ　　　کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے، پھروں　　　مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور ومار

جو یہ نصیب نہ ہو، اور کہاں نصیب مرے　　　کہ میں ہوں اور سگان حرم کی تیرے قطار

اڑا کے یاد مری مشت خاک کو پس مرگ　　　کرے حضور ﷺ کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا　　　کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مگر نسیم مدینہ ہے، گرد باد بنا　　　کشاں کشاں مجھے لے جا جہاں ہے تیرا مزار

ہوس نہیں مجھے اس سے بھی کچھ رہی لیکن　　　خدا کی اور تری الفت سے میرا سینہ فگار

لگے وہ تیر غم عشق کا مرے دل میں　　　ہزار پارہ ہو دل خون دل میں ہو سرشار

لگے وہ آتش عشق اپنی جان میں جس کی　　　جلادے چرخ ستم گر کو ایک ہی جھونکا

صدائے صور قیامت ہو اپنا اک نالہ　　　بجائے برق ہو اپنی ہی آہ آتش بار

چبھے کچھ ایسے مرے نوک خار غم دل میں　　　کہ پھوٹے آنکھوں کے رستہ سے اک لہو کی فوار

یا ناتواں ہوں، غم عشق میں کہ جائے نکل　　　ذرا بھی جان کو اوپر کا سانس لے جو سہار

تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا — کہ آنکھیں چشمہ آبی سے ہوں درون غبار
یہ لاغری ہو کہ جان ضعیف کو دم نقل — نہ ہووے ساتھ اٹھانا بدن کا کچھ دشوار
رہے نہ منصب شیخ المشائخی کی طلب — نہ جی کو بھائے یہ دنیا کا کچھ بناؤ سنگار
ہوا اشارہ میں دو ٹکڑے جو قمر کا جگر — کوئی اشارہ ہمارے بھی دل کے ہو جا پار

دل کی آرزوئیں اور تمنائیں عشق کی تڑپ اور محبت کے سوز و گداز دلی اضطراب کے ساتھ دربار رسالت میں پیش کرنے کے بعد یہ خیال آتا ہے کہ کہاں میں اور کہاں وہ دربار عالی تبار جہاں فرشتے قدم رکھتے ہوئے پاس ادب کرتے ہیں درخواست اور فریاد کا یہ لب ولہجہ اس عظیم بارگاہ کی شایاں نہیں اس لئے وہ اپنی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں دل اور زبان کو سرزنش کرتے ہیں اور درود و سلام پر بات کرتے ہیں۔

یہ کیا ہے شور و غل؟ اتنا سمجھ تو کچھ قاسم — نہ کچھ ترا بڑا رتبہ، نہ کچھ بلند تبار
تو تھام اپنے تئیں حد سے پا نہ دھر باہر — سنبھال اپنے تئیں اور سنبھل کے کر گفتار
ادب کی جا ہے یہ، چپ ہو تو اور زباں کر بند — وہ جائے، چھوڑ اسے پر نہ کر تو کچھ اصرار
دل شکست ضروری ہے جوش رحمت کو — گرے ہے باز کہیں جب تلک نہ دیکھے شکار
وہ آپ رحم کرینگے، مگر سنیں تو سہی — شکست شیشۂ دل کی ترے کبھی جھنکار
بس اب درود پڑھ اس پر اور اس کے آل پہ تو — جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اس کی عترت اطہار
الٰہی! اس پہ اور اس کی تمام آل پہ بھیج — وہ رحمتیں کہ عدد کر نہ سکے ان کو شمار

یہ قصیدہ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اس وقت لکھا گیا جب اردو زبان تراش خراش کے مرحلے سے گذر رہی تھی، اس دور میں ایسے الفاظ کی بہتات تھی جو بعد میں متروک ہوئے، اس دور کا تلفظ اور لب ولہجہ بھی کہیں ثقیل تھا، اسی تلفظ کی ادائیگی کے لئے املا بھی اسی کے مطابق تھا جو اب قطعاً متروک ہے، ہم نے اس قصیدے میں جو املا تھا، ہو بہو ٹھیک وہی لکھا ہے تا کہ اس عہد کی زبان سے مطابقت باقی رہے، قصیدہ میں تعقید لفظی نظر آئیگی لیکن یہ حضرت نانوتوی کی مجبوری تھی، وہ بہت ہی وسیع مفہوم کو صرف دو مصرعوں میں سمیٹ لینا چاہتے ہیں اس لئے الفاظ اپنے مقام پر اکثر جگہ نہیں

رہے، یہ مجبوری ہر اس شاعر کو پیش آتی ہے جو دقیق مضامین کو شعروں میں پیش کرتا ہے، مگر بہر حال اس کی وجہ سے اشعار ثقیل اور بوجھل ہو جاتے ہیں۔

یہ قصیدہ اپنی معنوی وسعت، فکر کی گہرائی، زرف بینی، بے مثال قوت مشاہدہ کا غماز اور مناظر فطرت کی خوبصورت عکاسی روح نواز تصویر کشی میں ایک مثالی اور لاجواب قصیدہ ہے، حضرت نانوتوی کے اس قصیدہ کو شعر و شاعری سے ظاہری بے تعلقی اور ان کی کم سخنی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے، یہ قصیدہ پڑھ کر دل کسی طرح یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے پہلے آپ کو شعر و شاعری سے کوئی سروکار نہیں رہا ہوگا، قصیدہ صاف بتاتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام اور کہنہ مشق استاذِ فن کے قلم کا رہین منت ہے، اب یہ طویل قصیدہ اردو ادب کی تاریخ اور اس کے تدریجی ارتقاء سے بحث کرنے والے ادیبوں اور نقادوں کی خدمت میں پیش ہے تا کہ وہ اس کی صحیح قدر و قیمت متعین کر سکیں۔

اسیرؔ ادروی

بنارس ۲۰ / جولائی ۱۹۹۹ء